ملاّ، مولوی اور دین سے دشمنی کرتا ہے، کہ اس نے انہیں برباد ہونے سے بچایا۔ ابلیس نے اپنی ذریت کو سمجھایا کہ افغانستان ابھی باقی ہے۔ اسکی جڑیں بھی کھوکھلی کرنی چاہئیں (یہ اسوقت کی بات ہے۔ اب تو ماشاء اللہ وہ بھی کم نہیں) مغربیت کی زد سے محفوظ ہے۔ ابلیس تو چونکہ پرانا تجربہ کار، کہنہ مشق ہے۔ ڈھنگ بتاتا ہے کہ ملاّ کو نکالو دین خود نکل جائے گا۔ دین نکل گیا تو پھر اپنا گھر سمجھو، جو چاہو کرو۔

جب علی گڑھ نیا نیا بنا تو لاہور کے ایک وکیل صاحب جو غالباً سب سے پہلے وکیل تھے، ان سے پہلے کوئی نہ تھا، اگر تھا بھی تو ان کا ساتھی ہی ہوگا، ان سے پہلے کا نہیں۔ اس وقت وکالت بھی ایمانیات کے ساتھ وابستہ تھی، سرسید کو ملنے گئے تو سرسید نے پوچھا کہ آپ کا میرے متعلق کیا خیال ہے، کیا رائے ہے۔؟ وکیل صاحب نے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے میں آپ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ کوئی اور بات کیجئے۔ سرسید نے اصرار کیا اور رائے کے اظہار کے لئے باربار کہا۔ تو وکیل صاحب نے کہا، میری تو یہ رائے ہے کہ اگر دس بجے مجھے حکومت ملے تو دس بجکر پانچ منٹ پر آپ کا سر قلم کردوں۔ سرسید کہنے لگا تم بڑے متعصب ہو! یہ متعصب کا لفظ مستشرقین یورپ استعمال کیا کرتے ہیں۔ دین کے خلاف کتابیں لکھیں اور تم اعتراض کرو تو اس کا نام رکھ دیا، مذہبی جنون اور تعصب، بیوی پر کوئی ہاتھ ڈالے، وہاں مدافعت ضروری۔ گدھے کو ہاتھ لگائے تو مدافعت ضروری۔ بلکہ کوئی لوٹا اٹھالے تو مدافعت ضروری ــــ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر کوئی ہاتھ ڈالے تو مدافعت کو عصبیت کا نام دیا جائے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عصبیت حدود کے اندر روح کا تقاضا ہے، ایمان ہمارا ہے، ہم اس سے ایک انچ نہ ادھر ہونگے نہ اُدھر ہوں گے۔ خود سمٹ کر پہاڑ کی طرح رہو، پست مت ہو۔ یورپ کی ہوا تیز شعلہ بیباک ہے، انہوں نے قوت غضبیہ کو بےجا استعمال کیا۔ روح کا یہ نقشہ کہ کوئی مارے پیٹے اور آگے سے نہ بولو۔ یہ بھی ناقص روح ہے۔ کہ جو استعمال کی جگہ وہاں بھی استعمال نہ کیا۔ کہ کسی نے گالی دی تو بھی نہ بولا۔ چاہیئے یہ تھا کہ گالی دینے والے کو جوتا مارتے۔

امام شافعیؒ جن کے مقلد جنید بغدادیؒ، پیران پیرؒ جیسے بزرگ ہیں کہ جسکو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے، ہاں! جائز طور پر ہو، ناجائز نہ ہو۔ موقعہ محل پر ہو، بےجا نہ ہو۔ افراط، تفریط۔ کمی، زیادتی کہیں بھی مناسب نہیں۔ لمبی ناک بھدی معلوم

ہوتی ہے، بالکل چھوٹی ہو یہ اور بھی معیوب ہے۔

**عقل کا اعتدال** | عقل کا بھی خاص اندازہ، ایک صحیح استعمال ہے، اس میں بھی تناسب واعتدال حد درجہ ضروری ہے، کم عقلی تو عام ہے کہ اچھی نہیں۔ عقل کا حد سے تجاوز یہ بھی درست نہیں۔ نمک بڑی عمدہ چیز ہے، یہ سالن کی جان ہے، لیکن مقدار سے زیادہ ہانڈی خراب کر دیتا ہے۔ اس میں اعتدال نہ ہو تو میاں بیوی میں لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ ایک سیر گوشت میں پندرہ سیر آلو ڈال دینا، تناسب، کے خلاف ہے، یہی مثال سمجھو عقل کی بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عقل اعتدال پر ہو، اسکی حکمت یہ ہے، کہ جن چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے، وہاں عقل صرف ہو۔ جو زوائد ہیں۔ ان میں اس کا صرف بے محل و بے موقعہ ہے، موجودہ سائنسدانوں نے ایٹم بم بنایا، یہ افراط عقل ہے کہ حد سے زیادہ عقل کو استعمال کیا۔ دنیائے عالم کا سالن گندہ کرنے کے درپے ہو گئے۔ کرۂ ارضی کی ہنڈیوں میں انسانی گوشت کے ٹکڑے بھنیں گئے، یہ حد سے تجاوز ہے، یہ مقدار نمک میں زیادتی ہے، ـــ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس ـــ شیطان نے اگر اسی ہزار جگہ پاخانہ کیا تو ان میں سے ایک فرنگی کا دماغ بھی ہے۔ جس نے گورداسپورہ ہندوؤں کو، کشمیر ڈوگروں کو دے کر ہمیں ادھر پھنسا دیا، عربوں کے سینہ پر یہود کو لا بٹھایا۔ پورے عالم اسلام میں افراتفری مچا دی۔ یہ وہ زیادتی ہے جس سے اعتدال کا جنازہ اٹھ گیا۔

**تحقیق یا عقل کا بے محل استعمال** | بعض ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے جا رہے ہیں، اور بعض چاند پر جا رہے ہیں۔ تمہارے سینہ میں دل ہے، کھوپڑی میں دماغ ہو۔ اسکو جگہ پر استعمال کرو۔ اللہ کی زمین کو تو گندہ کر دیا۔ اب آسمان کو گندہ کرنے جاتے ہو، وہاں پاخانہ کرتے ہو۔ اس کا نام انہوں نے تحقیق رکھا ہے، یہ تحقیق نہیں تمہارے عقلوں کی تذلیل ہے، مقصود سے ہٹ کر غیر ضروری چیزوں میں پڑ گئے۔ مولوی سائنس کا مخالف نہیں، سائنس علم کا نام ہے، ہر علم سیکھنے کی اسلام میں اجازت ہے، واعدوا لہم میں سب کچھ آجاتا ہے۔ تم سے وہ کالا مسلمان محمد علی کلے مکہ بازی میں کیوں بازی لے گیا، لاؤ کسی باپ کو جو اس کا مقابلہ کرے ـــ زمین والوں کا مقابلہ کرو۔ پھر آسمان پر جانا۔ اب ان کا دیو پن دیکھو کہ قانون کی زد میں لا کر اس نڈر مسلمان کو زیر کرنا چاہتے ہیں، اور عالم اسلام کا دل مجروح کر کے اپنی نااہلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ آج ہم بھی انگریز کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ہم محمدی نہیں بنتے، فرنگی بنتے ہیں۔ پھر ہماری عقلیں کیسے تناسب پر رہیں ـــ

تحریر: علامہ محمد اسد (جرمنی حال متوطن مراکش)

ترجمہ: محمد معین خاں بی۔اے (عثمانیہ)

اسلامی
تہذیب
کے لئے
ایک
سنگین خطرہ

# تقلیدِ مغرب

## ایک اخلاقی اور ثقافتی روگ

آج جو مسئلہ مسلمانوں کو درپیش ہے وہ ایک ایسے مسافر کا مسئلہ ہے جو ایک دوراہے پر پہنچ گیا ہے۔ یا تو وہ اپنی جگہ کھڑا رہ جائے آگے قدم نہ بڑھائے۔ اس صورت میں وہ فاقوں کی موت مر جائے گا۔ یا وہ اس راہ پر چل پڑے جس پر اس عبارت کی تختی لگی ہے "مغربی تہذیب کی طرف"۔ اس صورت میں اسے اپنے ماضی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دینا ہوگا۔ یا وہ دوسری راہ اختیار کرے جس پر اس عبارت کی تختی لگی ہے۔ "صداقت اسلام کی طرف"۔ یہی اور صرف یہی وہ راہ ہے جو ان لوگوں کے قلب و دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہے جو اپنے ماضی پر اور اس ماضی کے ایک زندہ مستقبل کی صورت میں مبدل ہو جانے کے امکان پر یقین رکھتے ہیں ــــــ۔

★

مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی طور پر مغربی طرزِ زندگی کی تقلید کرنا بلاشبہ اسلامی تہذیب کی بقا یا احیاء کے لئے سب سے بڑا سنگین خطرہ ہے۔ اس ثقافتی روگ ـــ اس کے سوا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا ممکن نہیں ـــ کا سلسلہ کئی قرن پیچھے سے شروع ہوتا ہے، جبکہ مسلمانوں نے مغرب کی مادی طاقت اور ترقی کو دیکھا، اپنے معاشرہ کی افسوسناک حالت کے ساتھ اس کا موازنہ کیا اور یاس کے شکار ہو گئے۔ یہ سلسلہ اسی مایوسی سے مربوط ہے۔

**ایک غلط تصور** اسلام کی سچی تعلیم سے مسلمانوں کی عدم واقفیت کی بناء پر یہ تصور پیدا ہوا کہ مسلمان ما بعد دنیا کی ترقی کا اس وقت تک ساتھ نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ مغرب کے سماجی اور

معاشی ضابطوں کو اپنا نہ لیں - اس وقت دنیائے اسلام پر ایک جمود طاری تھا۔ بہت سے مسلمانوں نے یہ سطحی نتیجہ اخذ کر لیا کہ چونکہ اسلام کا نظامِ معاشرت و اقتصادیات ترقی کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے اس میں مغربی خطوط پر ترمیم ہونی چاہیئے۔ ان "روشن خیالوں" نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ آخر اسلام پر مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی ذمہ داری کس حد تک عائد ہوتی ہے۔؟ اور نہ اسلام یعنی قرآن و حدیث کے حقیقی اندازِ فکر و عمل کی تحقیق و تفحص ہی کے لئے وہ کوئی وقت نکال سکے۔ وہ تو صرف اتنا ہی بتلا سکے کہ اکثر صورتوں میں معاصر فقہاء کی تعلیم ہی ترقی اور مادی تحصیل کی راہ میں رکاوٹ بنی رہی۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اسلام کے اصل سرچشموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے، انہوں نے چپ چاپ شریعت اور مروجہ روایات و رسوم دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ شریعت کیساتھ اپنی عملی دلچسپی سے بے تعلق ہوتے چلے گئے اور اسے تاریخ کے کھنڈروں اور علم کتابی کے ویرانوں میں دھکیل دیا۔ پھر تو انہیں مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی دلدل سے نجات کی راہ صرف مغربی تہذیب کی تقلید ہی میں نظر آئی۔

بے شمار مسلمانوں کی طرف سے مغرب کی کورانہ داد و تحسین کے امنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے حالیہ زمانہ میں اگرچہ بڑی پُر فکر تصانیف منظرِ عام پر آئیں (ان میں سب سے شاندار سعید حلیم پاشا کی کتاب اسلام لشمق (ISLAMLASHMAQ) ہے جس نے بڑے فیصلہ کن انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعتِ اسلامی ترقی جدید کی راہ میں حائل نہیں ہے، جیسا کہ حال حال تک سمجھا جاتا تھا) لیکن بہت تاخیر کے بعد۔

**معذرت پسند ذہنیت** ان تصانیف کی صحت بخش تاثیر کو ایک گھٹیا قسم کے معذرانہ ادب کے سیلاب نے باطل کر دیا، اس ادب نے ___ اگرچہ اس نے اسلام کی عملی تعلیمات سے علانیہ دست برداری کا اظہار تو نہیں کیا ___ یہ بتلانے کی کوشش کی کہ شریعت کو بڑی خوبی کے ساتھ مغربی دنیا کے سماجی اور معاشی تصورات کے تابع بنایا جا سکتا ہے۔ اسطرح مسلمانوں کے لئے مغربی تہذیب کی تقلید کرنے کا ظاہری جواز پیش کیا گیا اور اسلام کے انتہائی بنیادی معاشرتی اصولوں سے اس تدریجی ___ ہمیشہ اسلامی "ترقی" کے روپ میں ___ قطع تعلق کی راہ ہموار ہو گئی، جو آج سب سے زیادہ ترقی یافتہ مسلم ممالک کے ارتقاء کا پتہ دے رہی ہے۔

**مغربی تہذیب کا طبعی خاصہ** بعض "روشن خیال" مسلمانوں کی طرح یہ حجت کرنا تو محض عبث ہے کہ اسکی کوئی روحانی اہمیت ہی نہیں ہے کہ آیا ہم فلاں طریقہ سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یا

فلاں طریقہ سے۔ آیا ہم یورپی لباس پہنتے ہیں یا خود اپنا آبائی لباس۔ آیا ہم رسومات کے معاملہ میں قدامت پسند ہیں یا نہیں۔ یہ سچ ہے کہ اسلام میں تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جیساکہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان کیا جاچکا ہے، انسان جب تک مذہبی احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس وقت تک اسلام اسے بیشمار ممکنات سے متمتع ہونے کی رخصت عطا کرتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کے قطع نظر کہ بہت سی چیزیں جو مغرب کے سماجی ڈھانچہ کے بنیادی جزو ہیں — مثال کے طور پر مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول، معاشی سرگرمی کی اساس کی حیثیت سے سرمایہ کا سود — اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی ہیں۔ مغربی تہذیب کا طبعی خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ انسان کے مذہبی میلان کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔

تہذیب کا اثر ذہنیت اور اخلاق پر | صرف سطحی قسم کے لوگ ہی یہ یقین کرسکتے ہیں کہ کسی تہذیب کے ظاہر کی تقلید اس تہذیب کی روح سے متاثر ہوئے بغیر بھی کی جاسکتی ہے۔ تہذیب کوئی خالی پیکر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ تو ایک زندہ توانائی ہوتی ہے۔ جس لمحہ ہم کسی تہذیب کا پیکر اختیار کرنے لگتے ہیں تو اسکی خلقی لہریں اور محرک موثرات ہمارے وجود کے اندر اپنا کام کرنے لگتے ہیں۔ اور بڑی آہستگی کے ساتھ اور ٹھوس طریقہ سے ہمارے پورے ذہنی رویہ کو اپنے انداز میں متشکل کرنا شروع کردیتے ہیں۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث اس تجربہ کا ایک مکمل خاکہ ہے: مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔ جس کسی نے دوسری قوموں کی شباہت اختیار کی وہ انہی میں کا ہوگیا —— (مسند ابن حنبل، سنن ابی داود) یہ مشہور حدیث نہ صرف ایک اخلاقی اشارہ ہے۔ بلکہ ایک واقعیت پسندانہ بیان بھی جس میں اس امر کی وضاحت ملتی ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر تہذیب کے ظاہر کی بھی تقلید کرنے لگیں گے تو انہیں وہ تہذیب لازماً اپنے اندر مدغم کرے گی۔

فیشن عقلی اور اخلاقی رجحانات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ | اس بارہ میں سماجی زندگی کے "اہم" اور "غیر اہم" پہلوؤں کے مابین کوئی بنیادی فرق مشکل ہی سے ملے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تقلید کے معاملہ میں کوئی بھی چیز غیر اہم نہیں ہوتی۔ یہ فرض کرلینے سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہوسکتی کہ لباس، مثال کے طور پر، ایک خالص خارجی چیز ہے، اس لئے انسان کی عقلی اور روحانی ذات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ لباس بالعموم ایک مخصوص سمت میں کسی قوم کے مذاق کے فروغ مدت ہائے دراز کا ماحصل ہوتا ہے۔ اس کا فیشن اس قوم کے جمالیاتی تصورات نیز اس کے رجحانات کا آئینہ دار

ہوتا ہے۔ یہ ان تغیرات کے بموجب وضع ہوتا۔ اور انہی تغیرات کے مطابق اسکی شکلیں بدلتی رہتی ہیں جن میں سے اس قوم کا کردار اور اس کے رجحانات گذرا کرتے ہیں۔

آج کے یورپی فیشن ہی کی مثال لے لیجئے۔ یہ فیشن یورپ کے عقلی اور ذہنی رجحانات کا پورا پورا آئینہ دار ہے۔ ایک مسلمان یورپی لباس پہن کر غیر شعوری طور پر اپنے مذاق کو یورپی مذاق کے ساتھ تطبیق دے لیتا ہے اور اپنی عقلی اور اخلاقی ذات کو کچھ اس طرح بدل دیتا ہے کہ وہ مآل کار اس نئے لباس کے ملئے موزوں ہو جاتی ہے۔ اپنے اس عمل سے یہ مسلمان اپنی ہی قوم کے جمالیاتی اقدار سے اس کے مرغوبات و نامرغوبات سے بھی بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور عقلی و اخلاقی غلامی کی اس وردی کو قبول کر لیتا ہے جو ایک اجنبی تہذیب کی بارگاہ سے اسکو عطا ہوتی ہے۔

**یورپی طرز معاشرت یا عقلی و اخلاقی غلامی کی وردی** | جب کوئی مسلمان یورپی زندگی کی وضع قطع، آداب و اخلاق اور لباس و پوشاک کی تقلید کرنے لگتا ہے تو وہ گویا یورپی تہذیب کے بہتر و بالاتر ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ کسی اجنبی تہذیب کی روح کے استحسان (APPRECIATION) کے بغیر اسکی عقلی اور جمالیاتی وضع کی تقلید کرنا تو عملاً ناممکن ہے۔ بالکل اسی طرح کسی ایسی تہذیب کی روح کے استحسان کے ساتھ ساتھ جو مذہبی نظریہ حیات کی قطعاً مخالف ہو۔ ایک اچھے مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنا بھی عملاً ناممکن ہے۔

**احساس کمتری کی علامت** | اجنبی تہذیب کی تقلید کا رجحان احساس کمتری کا ثمرہ ہوتا ہے۔ یہی اور صرف یہی معاملہ ان مسلمانوں کے ساتھ ہے، جو مغربی تہذیب کی تقلید کر رہے ہیں۔ وہ اس تہذیب کی قوت، فنی مہارت اور ظاہری طمطراق کا موازنہ عالم اسلام کی افسوسناک حالت کے ساتھ کرتے ہیں اور یقین کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مغربی طریق کے سوا اور دوسرا طریق ہی نہیں ہے۔ اپنی ہی خامیوں کے لئے اسلام کو مورد الزام قرار دیتا تو زمانہ کا شعار بن گیا ہے۔ ہمارے نام نہاد دانشور زیادہ سے زیادہ معذرانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں، اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام مغربی تہذیب کے ساتھ قابل تطبیق ہے۔

**احیاء دین کیلئے غیرت اور خودداری لازمی ہے** | احیائے دین کے لئے مسلمان کو چاہیئے